

رسائل و مسائل

مغربی شینلزم اور فرنگی لباس

(۳)

(اسلام اشاعت رجب ۱۴۰۵ھ)

شینلزم ہندوستان میں | پچھلے صفحات میں یہ بات اصولی حیثیت سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اجتماعاً
میں شینلزم کا نقطہ نظر اسلام کے نقطہ نظر سے کلی طور پر متناقض ہے۔ لہذا مسلمان اگر اس شخص کا نام ہے
جو زندگی کے ہر معاملہ میں اسلامی نقطہ نظر رکھتا ہو، اور اگر اس کے سوا نقطہ مسلمان کا کوئی دوسرا مفہوم
نہیں ہے، تو یہ بات آپ سے آپ لازم ہو جاتی ہے کہ مسلمان جہاں اور جس حال میں بھی ہو، اسے
شینلزم کی مخالفت کرنی چاہیے۔ یہ اصول طے ہو جانے کے بعد درحقیقت اس سوال میں کوئی خاص
اہمیت باقی نہیں رہتی کہ کسی خاص ملک کی تحریک قوم پرستی کے بارے میں مسلمان کا رویہ کیا ہو۔ لیکن جب
ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں شینلزم کو فروغ دینا چاہیے، اور یہ کہ اسی چیز کے فروغ پانے پر
اس ملک کی نجات منحصر ہے، تو ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مخصوص طور پر ہندوستان کے حالات
کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ دیکھیں کہ یہاں شینلزم کے فروغ پانے کا نتیجہ کیا ہے یا کیا ہو سکتا ہے
اور یہ کہ آئیانی الواقع ہندوستان کی نجات اسی طریقہ میں ہے؟

کسی ملک میں شینلزم پیدا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں پہلے سے ایک قومیت وجود
ہو، یا اگر وہ پہلے سے موجود نہیں ہے تو اب وجود میں آئے۔ کیونکہ جہاں قومیت ہی سرے سے موجود

نہ ہو وہاں قوم پرستی کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتی۔ قوم پرستی تو قومیت کے اشتعال ہی کا دوسرا نام ہے۔ جب شعلہ ہی موجود نہ ہو گا تو اشتعال کیسے ہو گا؟

اب دیکھنا چاہیے کہ قوم پرستی کا شعلہ بھڑکنے کے لیے کس قسم کی قومیت درکار ہے۔

قومیت کی ایک قسم وہ ہے جسے سیاسی قومیت (Political nationality) کہتے

ہیں، یعنی جو لوگ ایک سیاسی نظام سے وابستہ ہوں وہ محض اس وحدت سیاسی کے لحاظ سے

ایک قوم سمجھے جاتے ہیں۔ اس نوع کی قومیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو لوگ اس میں شریک

ہوں ان کے جذبات و حیات، ان کے خیالات و نظریات، ان کے اخلاقی خصائص، ان

کی روایات، ان کی زبان اور لٹریچر اور ان کے طرز زندگی میں کسی قسم کی یکسانی پائی جائے۔

ان تمام خثیات سے بالکل مختلف ہونے کے باوجود ان کی ایک سیاسی قومیت ہوتی ہے اور

اُس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ ایک سیاسی نظام سے وابستہ رہیں۔ اگر ان کے مختلف

گروہ آپس میں مختلف ہی نہیں بلکہ مخالف بھی ہوں حتیٰ کہ اگر ان کے مقاصد اور قومی حوصلے باہم

متضاد ہوں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف عملاً جدوجہد کر رہے ہوں، تب بھی ان کی سیاسی

قومیت ایک ہی رہتی ہے۔ قومیت کا لفظ ایسی وحدت کے لیے بولا ضرور جاتا ہے، مگر ظاہر

ہے کہ یہ وہ قومیت نہیں ہے جس کی بنیاد پر کہیں قوم پرستی پیدا ہو سکتی ہو۔

دوسری قسم کی قومیت وہ ہے جسے تہذیبی قومیت (Cultural nationality)

کہا جاتا ہے۔ یہ قومیت صرف ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جن کا مذہب ایک ہو، جن کے خیالات

و نظریات اور جذبات و حیات یکساں ہوں، جن میں ایک ہی طرح کے اخلاقی اوصاف پائے جاتے

ہوں، جو زندگی کے تمام اہم معاملات میں ایک مشترک زاویہ نگاہ رکھتے ہوں اور اُسی زاویہ نگاہ کے

اثر سے ان کی زندگی کے تہذیبی و تمدنی مظاہر میں بھی یک رنگی پیدا ہو گئی ہو، جو پسندیدگی و ناپسندیدگی

اور حرمت و حلت اور تقدیس و استکراہ کے مشترک معیار رکھتے ہوں، جو ایک دوسرے کے احکامات کو سمجھتے ہوں، اور ایک دوسرے کی عادات و خصال اور دلچسپیوں سے مانوس ہوں جن میں آپس کے شادی بیاہ اور مشترک معاشرت کی وجہ سے خونی اور قلبی رشتے پیدا ہو گئے ہوں، جنہیں ایک ہی قسم کی تاریخی روایات حرکت میں لاسکتی ہوں، مخقر یہ کہ جو ذہنی، روحانی، اخلاقی اور تمدنی معاشرتی حیثیت سے ایک گروہ، ایک جماعت، ایک وحدت بن گئے ہوں۔ قوم پرستی اگر پیدا ہو سکتی ہے تو صرف اسی قومیت کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں میں یہ قومیت پائی جاتی ہے صرف انہی کے درمیان ایک مشترک نیشنل ٹائپ اور ایک مشترک نیشنل آئیڈیا کا نشوونما ہوتا ہے۔ اسی نیشنل ٹائپ کے عشق اور نیشنل آئیڈیا کے استحکام سے نیشنلزم کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی چیزنگے بڑے کردہ قومی خودی (National self) پیدا کر دیتی ہے جس میں فرد اپنی انفرادی خودی کو جذب کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر جب قومی خودی کے ارتقاء میں کوئی واقعی یا خیالی چیز مانع ہوتی ہے، تو اس کو دفع کرنے کے لیے وہ جذبہ مشتعل ہوتا ہے جبکہ نام نیشنلزم ہے۔ اس تجزیہ کو سامنے رکھ کر ہندوستان کے حالات پر نظر ڈالیں۔ کیانی الواقع یہاں نیشنلزم کی اساس موجود ہے، بلاشبہ سیاسی قومیت یہاں ضرور پائی جاتی ہے، کیونکہ یہاں کے باشندے ایک سیاسی نظام کے تابع ہیں، ایک قسم کے قوانین انکی تمدنی و معاشی زندگی پر حکمراں ہیں، اور ایک فولادی ڈھانچہ ان سب کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ مگر حبساکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں محض سیاسی قومیت، قوم پرستی پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ قومیت آسٹریا ہنگری، برطانیہ و آئرلینڈ، سلطنت روس، سلطنت عثمانیہ، چیکو سلواکیا، یوگوسلیویا اور بہت سی سری سلطنتوں میں بھی پائی جاتی تھی، اور اب بھی بکثرت ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ مگر کہیں بھی اس نے نیشنلزم پیدا نہیں کیا۔ آزادی کے جذبہ میں مشترک ہونا، یا مصائب اور خطرات میں مشترک ہونا

بھی نیشنلزم کی پیدائش کے لیے نا کافی ہے۔ یہ چیز اگر پیدا ہو سکتی ہے تو صرف تہذیبی قومیت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے، اور ہر وہ شخص جو آنکھیں رکھتا ہے، اس حقیقت کو دیکھ سکتا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں میں تہذیبی قومیت موجود نہیں ہے۔

پھر جب امر واقعی یہ ہے تو یہاں نیشنلزم کا ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جہاں سرے سے ماں ہی موجود نہیں ہے وہاں بچے کا ذکر کرنا ظاہر ہے کہ نادانی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اس ملک میں نیشنلزم کو فروغ دینے کا خیال ظاہر کرتے ہیں انہیں جاننا چاہیے کہ یہ بچہ تہذیبی قومیت ہی کے بطن سے پیدا ہو سکتا ہے، اور اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کی ماں کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس حقیقت کو جب وہ اچھی طرح جان لینگے تو انہیں اپنے دعوے میں ترمیم کرنی پڑیگی۔ قبل اسکے کہ وہ ہندوستان میں نیشنلزم کو فروغ دینے کا نام لیں، انہیں یہ کہنا پڑیگا کہ یہاں ہم ایک تہذیبی قومیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہندوستانی نیشنلزم فروغ پاسکے۔

اچھا اب اس سوال پر غور کیجیے کہ یہاں ایک تہذیبی قومیت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے اور اس کے امکانات کیا ہونگے؟

جس ملک میں مختلف تہذیبی قومیتیں پائی جاتی ہوں، وہاں ایک قومیت کی پیدائش دو ہی صورتوں سے ممکن ہے۔

(۱) ایک قوم کی تہذیب باقی سب قوموں کو فتح کر لے۔

(۲) سب کے اختلاط و امتزاج سے ایک مشترک تہذیب پیدا ہو جائے۔

پہلی صورت یہاں خارج از بحث کیونکہ ہندوستانی نیشنلزم کے حامی اس کو اپنا نصب العین نہیں بنا سکتے۔ یہ چیز اگر نصب العین بن سکتی ہے تو ہندو نیشنلزم یا ”مسلم نیشنلزم“ کے حامیوں کی بن سکتی ہے۔ رہے ہندوستانی نیشنلسٹ تو ان کے درمیان اتفاق صرف دوسری صورت

ہی پر ہو سکتا ہے اچنانچہ ان کے حلقوں میں اکثر اس مسئلہ پر بحث بھی ہوتی ہے کہ اس ملک کی مختلف قوموں کے امتزاج سے کسی طرح ایک قومیت پیدا کی جائے۔ لیکن اس سلسلہ میں وہ ایسی طفلانہ باتیں کرتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ تہذیبی قومیت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں، نہ انہیں یہ خبر ہے کہ اس قسم کی قومیتوں کا امتزاج کس طرح کن قوانین کے تحت ہوتا ہے، اور نہ انہوں نے کبھی اس پہلو پر غور کیا ہے کہ ایسے امتزاج سے کس شان کی قومیت بنتی ہے۔ وہ اسے بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں اور بچوں ہی کی طرح اس کھیل کو کھیلنا چاہتے ہیں۔

تہذیبی قومیت دراصل نام ہے ایک قوم کے مزاج عقلی اور نظام اخلاقی کا۔ اور یہ چیز مصنوعی طور پر ایک دو دن میں نہیں بن جاتی، بلکہ صدیوں میں اس کا نشو و نما فطری تدریج کے ساتھ ہوتا ہے۔ صد ہا برس تک جب کچھ لوگ نسلاً بعد نسل ایک قسم کے عقائد و رسوم و عادات کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں، تب کہیں جا کر ان میں ایک مشترک روح پیدا ہوتی ہے، مشترک اخلاقی اوصاف مستحکم ہوتے ہیں، ایک مخصوص مزاج عقلی بنتا ہے، وہ روایات جڑ پکڑتی ہیں جن سے ان کے جذبات و حسیات (Sentiments) وابستہ ہوتے ہیں، وہ لٹریچر پیدا

ہوتا ہے جو ان کے دل و دماغ کا ترجمان ہوتا ہے، اور وہ ذہنی و روحانی یک رنگی رونما ہوتی ہے جس سے ان میں باہمی انس اور تفاهت (Mutual intelligibility) پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب ان گہرے اور مضبوط اثرات کے تحت کسی گروہ کی مستقل قومیت بن جاتی ہے، یا دوسرے الفاظ میں جب اس کا اخلاقی اور عقلی مزاج مستحکم ہو جاتا ہے تو اس کے لیے کسی دوسرے گروہ کے ساتھ خلط ملط ہو کر کسی دوسری قومیت میں تبدیل ہو جانا تقریباً محال ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسی گروہ سینکڑوں برس تک ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی سرزمین میں پہلو بہ پہلو رہتے ہیں، مگر کسی قسم کا امتزاج واقع نہیں ہوتا۔ یورپ میں جرمن، انگلیز، پول، چیک، یہودی، سلاوی اور

ایسی ہی دوسری قومیں مدتوں سے ایک جگہ زندگی بسر کر رہی ہیں مگر آج تک ان کے درمیان امتزاج پیدا نہیں ہوا۔ انگریز اور آئرش صدیوں لیک ساتھ رہے مگر کسی طرح مل کر ایک نہ ہو سکے۔ کہیں کہیں ایسے گروہوں کی زبانیں بھی مشترک ہوتی ہیں، مگر زبان کے اشتراک سے دل و دماغ کا اشتراک رونما نہیں ہوتا۔ الفاظ مشترک ہوتے ہیں، مگر وہ ہر قوم کے دل میں جو جذبات و خیالات پیدا کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

ایک جابو دو باش اور طویل مدت تک یا بھی اختلاف سے مختلف تہذیبی گروہوں کا مل کر ایک صحیح قسم کی مکمل اور متحد قومیت پیدا کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے، اور صرف اسی صورت میں وہ اعلیٰ درجہ کے تمدنی نتائج پیدا کر سکتا ہے، جبکہ ایسے گروہوں کے نظام اخلاقی اور مزاج عقلی میں کوئی بڑا اور اہم تفاوت نہ ہو، بلکہ وہ بڑی حد تک متشابہ الاخلاق ہوں۔ اس صورت میں انکی الگ الگ اخلاقی خصوصیات اور انکے جداگانہ قومی شخصیات مٹ جاتے ہیں اور ایک متحد نظام اخلاق بن جاتا ہے۔ مگر یہ عمل بھی اس طرح نہیں ہوتا جیسے ہتیلی پر سرسوں جوائی جلنے، بلکہ مدہائے دراز تک کسروا نکسار ہوتا رہتا ہے تب کہیں مختلف اجزاء میں گھل مل کر ایک مزاج پیدا ہوتا ہے۔ انگلستان میں برائٹن، سیکسن اور نارمنڈی قوموں نے ایک قوم بننے بننے میں گروہوں برس لیے ہیں۔ فرانس میں دس صدیوں سے یہ عمل جاری ہے اور اب تک قومیت کا خمیر پوری طرح تیار نہیں ہو سکا ہے۔ اٹلی میں اس وقت تک کوئی مشترک قومی روح پیدا نہیں ہو سکی ہے، حالانکہ وہ مختلف عناصر جن سے اطالوی قومیت کی ترکیب ہوئی ہے اخلاقی حیثیت سے باہم کوئی بین تفاوت نہیں رکھتے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں ایک قومیت صرف ان عناصر کے امتزاج سے بن سکی ہے جو بہت کچھ متشابہ الاخلاق تھے اور جن کو مشترک اغراض نے مجبور کر دیا تھا کہ اپنے خفیف سے اختلاف و تفاوت کو جلدی سے دفن کر کے یک جان ہو جائیں۔ تاہم اس عمل نے بھی

پایہ تکمیل کو پہنچتے پہنچتے ڈھائی تین سو برس لیے ہیں۔

تشابہ الاخلاق قوموں کے امتزاج سے ایک صحیح اور عمدہ قسم کی قومیت بننا صرف اس لیے ممکن ہوتا ہے کہ انہیں اس عمل امتزاج کے دوران میں اپنے عقائد و نظریات اور اپنے اخلاقی معیاروں کو طلاق دینے اور اپنے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی اوصاف کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ یہ چیزیں انکے درمیان پہنے ہی سے مشترک ہوتی ہیں۔ صرف روایات کے رد و بدل اور جذبات و حسیات اور مقاصد و اغراض کی جدید تنصیب (Readjustment) سے ہی انکی نئی قومیت بن جاتی ہے۔ بخلاف اسکے جہاں مختلف الاخلاق قوموں میں کسی مصنوعی دباؤ، کسی جعلی کوشش اور بعض ادنیٰ درجہ کے محرکات سے امتزاج واقع ہوتا ہے وہاں ایک نہایت ذلیل قسم کی قومیت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ان کے عقائد کی جڑیں ہل جاتی ہیں، ان کے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی خصائص (جو ان کے امتیازی اوصاف تھے) اور جنکی موجودگی میں امتزاج ممکن نہ تھا) مٹ جاتے ہیں، ان کے حیات ملی (جن پر انکی قومیت کی اساس قائم تھی) فنا ہو جاتے ہیں، ان میں سے ہر قوم کو اپنے اپنے معیارات فضل و شرف بدلنے پڑتے ہیں، اور ان کی نئی قومیت ان میں سے ہر ایک کے رذائل اخلاق کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اس نوعیت کا امتزاج قوموں کے نظام اخلاق کو درہم برہم کر دیتا ہے اور نیا نظام اخلاق بننے کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے۔ اپنی اپنی سابق روایات سے ان کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور نئی روایات بننے میں بہت دیر لگتی ہے۔ اپنے اپنے نیشنل ٹائپ کو وہ خود سمار کر دیتے ہیں اور نیا ٹائپ ڈھلنے کے لیے بڑا وقت لیتا ہے۔ اس خطرناک حالت میں جو لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی سیرت میں کوئی مضبوطی نہیں ہوتی۔ وہ دنیٰ الاخلاق، کم ظرف، تنگ حوصلہ، چھپورے، متلون، اور بے اصولے ہوتے ہیں۔ انکی حالت اس پتے کی سی ہوتی ہے جو درخت سے

ٹوٹ کر میدان میں جا پڑا ہوا اور ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ اڑتا پھرتا ہوا، کہیں اسکو قرار نہ ہو۔ برازیل (جنوبی امریکہ) میں مختلف الاخلاق قوموں کے اختلاط و امتزاج کا حال جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ بلا تمام اُن قوموں کے محاسن کو یکساں طور پر برباد کر رہی ہے جو اسکے زیر اثر آگئی ہیں، اور اسکی بدولت وہاں عقلی، اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے نہایت گھٹیا درجہ کی نسل پیدا ہو رہی ہے۔

ہندوستان میں جو تہذیبی قومیتیں پائی جاتی ہیں انہیں کوئی ایسا شخص متشابہ الاخلاق نہیں کہہ سکتا جو اجتماعیات میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہو، اور جو سیاسی خواہشات سے قطع نظر کر کے محض حقائق نفس الامری کی بنا پر رائے قائم کرتا ہو۔ ان قوموں کے درمیان اُس سے زیادہ گہرے اختلافات پائے جاتے ہیں جتنے یورپ کی مختلف تہذیبی قومیتوں کے درمیان موجود ہیں۔ یہاں عقائد میں بعد المشرقین ہے۔ اصول تہذیب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ نظام اخلاق میں بین تفاوت ہے۔ روایات کے سرچشمے قطعی طور پر الگ الگ ہیں۔ جذبات و حسیات باہم متناقض ہیں۔ اور ہر ایک کانیشنل ٹائپ اپنے خط و خال میں دوسرے کے کنٹینرل ٹائپ سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا۔ یہاں محض سیاسی و معاشی اغراض کی خاطر ان مختلف قومیتوں کو مٹا کر ایک مزوج و مخلوط قومیت پیدا کرنے کی کوشش لامحالہ وہی نتیجہ پیدا کر لگی جسکی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ بد قسمتی سے ڈیڑھ دو سو سال کے انگریزی اقتدار نے ان قوموں کو پہلے ہی اخلاقی انحطاط میں مبتلا کر دیا ہے۔ غلامی کا گھٹن ان کے جوہر شرافت کو پہلے ہی کھا چکا ہے۔ انکی سیرتیں کمزور ہو چکی ہیں۔ ان کے عقائد جڑوں سے ہل چکے ہیں۔ ان کا تعلق اپنی روایات سے بہت کچھ ٹوٹ گیا ہے۔ ان کے کنٹینرل ٹائپ مضحل ہو گئے ہیں۔ ان کا معیار اخلاق پست ہو گیا ہے۔ ان کے اخلاقی خصائص میں استحکام باقی نہیں

رہا ہے۔ اور نئی نسلوں میں اس منزل و انحطاط کے نہایت مکروہ نتائج دیکھے جا رہے ہیں۔ اس حالت میں قوم سازی کا عمل جاری کرنے کے لیے جب انکی رہی سہی تہذیبی بنیادوں پر ضرب لگائی جائیگی تو یقین رکھیے کہ پورے ملک کا نظام اخلاق درہم برہم ہو جائیگا، اور اس کے نتائج نہایت ہولناک ہوں گے۔

وہ محض طفلانہ خام خیالی ہے جسکی بنا پر ہمارے ملک کے سیاسی لیڈر بغیر سوچے سمجھے رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اجنبی طاقت کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہاں نیشنلزم پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور نیشنلزم پیدا کرنے کے لیے ایک قومیت بنانے کی حاجت ہے، لہذا تمام موجودہ قومیتوں کو مٹا دو، اور سب کی ایک قومیت بنا ڈالو۔ حالانکہ اگر ان لوگوں میں صحیح بصیرت موجود ہو اور یہ مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر خود سوچنے سمجھنے کی کوشش کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ راستہ ہندوستان کی نجات کا نہیں، اسکی تباہی کا ہے۔

اولاً اس راستہ سے آزادی حاصل کرنا درحقیقت نہایت دیر طلب کام ہے۔ سینکڑوں ہزاروں برس کی روایات پر جو تہذیبی قومیتیں قائم ہیں ان کا مٹنا، انکی جگہ ایک نئی قومیت کا وجود میں آنا، اور پھر اس قومیت کا مستحکم اور مشتعل ہو کر نیشنلزم کی حد تک پہنچنا کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے ہر حال ایک طویل مدت درکار ہے، اور اگر آزادی کا حصول اسی پر موقوف ہے تو ہندوستان کو کم از کم ابھی دو تین نسلوں تک اس کا انتظار کرنا پڑیگا۔

ثانیاً اگر اس راستہ سے آزادی حاصل ہو بھی جائے تو جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، اس میں یہ خطرہ ہے کہ آخر کار تمام ملک اخلاقی انحطاط کے حاویہ میں گر جائیگا۔

ثالثاً یہ ایک یقینی امر ہے کہ جن قوموں کو اپنی انفرادیت سے کچھ بھی لگاؤ باقی ہے وہ اس نوعیت کی قوم سازی کے خلاف پوری جدوجہد کریں گی، اور اس کشمکش میں آزادی وطن کے لیے کوئی

متحدہ کوشش نہ کی جاسکیگی۔ لہذا اجنبی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے شاید یہ دور کارا ستہ بھی نہیں ہے کجا کہ قریب کا راستہ ہو۔ اگر اس راستہ کو اختیار کرنے پر یونہی اصرار کیا جاتا رہا تو کچھ بعید نہیں کہ سیاسی آزادی کا خواب کبھی ثمر مندہ تعبیر ہو ہی نہ سکے۔

ان وجوہ سے میرے نزدیک وہ لوگ سخت نادان ہیں جو محض مغربی قوموں کی تقلید میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ملکی آزادی کے لیے سنٹلزم ہی ایک کارگر آلہ ہے۔ میں پہلے بھی بارہا کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان کی آزادی اور سیاسی و معاشی ترقی کے لیے سرے سے قومی وحدت اور سنٹلزم کی حاجت ہی نہیں ہے۔ جہاں مختلف تہذیبی قومیتیں موجود ہوں وہاں قومی وحدت پیدا کرنے کی کوشش کرنا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری ہے، نہ صرف یہ کہ اصولاً غلط ہے، بلکہ نتائج کے اعتبار سے بھی مفید ہونے کے بجائے الٹا نقصان دہ ہے۔ ایسی جگہ وحدت نہیں بلکہ صرف وفاق کے اصول (Federal principles) ہی چل سکتے ہیں۔ ہر قوم کی مستقل حیثیت تسلیم کی جائے، ہر ایک کو اپنے قومی معاملات میں آزاد و خود مختار قرار دیا جائے، اور صرف مشترک وطنی اغراض کی حد تک تمام قوموں کے درمیان اتفاق عمل (joint action) کا معاہدہ ہو جائے۔ بس یہی ایک صورت ہے جس سے ملک کی تمام جماعتوں میں اپنی انفرادیت کے بقا و تحفظ کا اطمینان پیدا ہو سکتا ہے، اور یہی چیز ملک کی تمام قوتوں کو سیاسی ترقی کی جدوجہد میں ایک محاذ جنگ پر مجتمع کر سکتی ہے۔

فرنگی لباس | استفسار کے پہلے حصہ نے اتنا زیادہ وقت لے لیا کہ اب دوسرے حصہ پر بحث کرنے کے لیے نہ زیادہ وقت باقی ہے نہ گنجائش۔ تاہم مختصر الفاظ میں یہاں چند اشارات کیے جاتے ہیں۔

یہ قوم پرست بھی کچھ عجیب قسم کی مخلوق ہیں۔ ایک طرف یہ بڑے زور شور کے ساتھ قوم پرستی

کا پرچار کرتے ہیں۔ دوسری طرف انہیں غیر قوم اور غیر ملک کا لباس و تمدن اختیار کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ اور اس پر بھی بس نہیں۔ یہ اُس اجنبی لباس و تمدن کو اپنی قوم میں رواج دینے کی اس طرح کوشش کرتے ہیں کہ گویا یہ بھی قوم پرستی کے پروگرام کا کوئی حصہ ہے، حتیٰ کہ جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں یہ زبردستی اُس کو لوگوں کے سر منڈھنے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ ہندوستان، ایران، مصر، ٹرکی، ہر جگہ ان حضرات کی یہی روش ہے۔ حالانکہ قوم پرستی — اگر اس لفظ کے مفہوم میں قومی حمیت و غیرت کا بھی کچھ حصہ ہو — اس بات کی فطری طور پر متقاضی ہے کہ آدمی خود اپنی قوم کے لباس اور طرز تمدن پر قائم رہے، اسی میں عزت اور شرف محسوس کرے، اور اسی پر فخر کرنا سیکھے۔ جہاں سرے سے یہ چیز بالکل ہی مفقود ہے وہاں قوم پرستی خدا جانے کہاں سے آجاتی ہے۔ غیرت قومی کا فقدان اور قوم پرستی، دونوں صریح طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مگر ہمارے قوم پرست دوست اصدا کو جمع کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خیالات اور اعمال میں تناقض سے محفوظ رہنے کے لیے ذہن سلیم اور نظر سدید درکار ہے، اور یہ چیز اگر حاصل ہو تو آدمی فطرت کی سیدھی صاف راہ چھوڑ کر قوم پرستی ہی کیوں اختیار کرے۔

اسلام اس معاملہ میں بھی ان حضرات کا ساتھ دینے سے انکار کرتا ہے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں سیدھا، صاف، معقول اور فطری راستہ جو ہو سکتا ہے اُسی کا نام اسلام ہے، اور وہ جس طرح قومیت کے مبالغہ اور اسکی افراط یعنی قوم پرستی کا ساتھ نہیں دیتا اسی طرح کسی ایسی چیز کا بھی ساتھ نہیں دیتا جو قومیت کی جائز فطری حد بندیوں کو توڑنے والی، اور قوموں کی انفرادیت یا ان کے امتیازی خصائص کو مٹانے والی، اور انکے اندر ذائل اخلاق پیدا کرنے والی ہو۔

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ انسان اگرچہ سب ایک ہی اصل سے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان دو قسم کے امتیاز رکھے ہیں۔ ایک عورت اور مرد کا امتیاز۔ دوسرا نسب اور قبیلہ اور قومیت

کامیاز۔ یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا خُلِقْتُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا
وَأَنَّهُ خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ (النجم - ۳)۔ یہ دونوں قسم کے امتیازات انسانی تمدن
اور اجتماعی زندگی کی بنیاد ہیں اور فطرت الہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو صحیح حدود کے ساتھ باقی رکھا جائے۔
عورت اور مرد کا امتیاز اس لیے ہے کہ ان کے درمیان نفسیاتی کشش ہو، لہذا ضروری ہو کہ تمدن
و معاشرت میں دونوں کے اوصاف امتیازی پوری طرح محفوظ رکھے جائیں۔ اور قوموں کا امتیاز اس
لیے ہے کہ تمدنی اغراض کے لیے انسانوں کے ایسے اجتماعی دائرے اور حلقے بن سکیں جن کے
درمیان آسانی کے ساتھ باہمی تعاون ہو سکے، لہذا ضروری ہو کہ ہر گروہ یا ہر تمدنی و اجتماعی حلقے
کے کچھ امتیازی اوصاف ہوں جن کے ذریعہ سے ایک حلقے کے آدمی آپس میں ایک دوسرے کو
پہچان سکیں، باہم مانوس ہوں، ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، اور دوسرے حلقوں کے آدمیوں میں
فرق کر سکیں۔ اس قسم کے امتیازی اوصاف ظاہر ہے کہ زبان، لباس، طرز زندگی، اور شان
تمدن ہی ہو سکتے ہیں۔ پس یہ عین فطرت کا تقاضا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے۔

اسی بنا پر اسلام میں تشبہ کی ممانعت کی گئی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنے اور اس مرد پر جو عورت کا لباس پہنے
دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ملعون قرار دیا ان مردوں کو جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور ان عورتوں
کو جو مردوں کے مشابہ بنیں۔ یہ اس لیے کہ عورت اور مرد کے درمیان جو نفسیاتی کشش اللہ نے
رکھی ہے، یہ تشبہ اس کو دبا تا اور گھٹاتا ہے، اور اسلام اس کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اسی طرح
قوموں کے لباس و تمدن اور شعائر کو بھی مٹانا اور انہیں خلط ملط کرنا اجتماعی مفاد و مصالح کے

۱۰۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

۱۱۔ اور اللہ نے مرد اور عورت کی دو صنفیں پیدا کیں۔ ۱۲۔ المستدک جلد ۴ - صفحہ ۱۹ - ۱۰۔ نجدی کتاب اللباس

خلاف ہے، لہذا اسلام اس کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ قومی امتیاز کو جب فطری حدود سے بڑھا کر قوم پرستی بنایا جائیگا تو اسلام اس کے خلاف جہاد کریگا، کیونکہ اس مادہ سے جاہلانہ حمیت، ظالمانہ تعصب، اور قیصریت کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسلام کی دشمنی قوم پرستی سے ہے نہ کہ قوم سے۔ قوم پرستی کے برعکس قومیت کو وہ برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اسے مٹانے کا بھی وہ ویسا ہی مخالف ہے جیسا کہ اس کو حد سے بڑھانے کا مخالف ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو متوسط اور متوازن رویہ اسلام نے اختیار کیا ہے اس کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل آثار کو بغور ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ایک صحابی نے پوچھا کہ عصیت کیا چیز ہے؟ کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت کرنا عصیت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ عصیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دے (ابن ماجہ)

(۲) فرمایا جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لیا وہ اسی قوم میں شمار ہوگا (ابو داؤد)

(۳) حضرت عمرؓ نے آذربایجان کے گورنر عتبہ بن فرقہ کو لکھا کہ خبردار، اہل شرک (یعنی باشندگان

آذربایجان) کے لباس اختیار نہ کرنا۔ (مسلم۔ کتاب اللباس والزینہ)

(۴) حضرت عمرؓ نے اپنے تمام گورنروں کو عام احکام دیے تھے کہ غیر مسلم باشندوں کو اہل عرب

کے سے لباس اور وضع و ہیئت اختیار کرنے سے روکیں۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں سے صلح کرتے وقت باقاعدہ معاہدہ میں ایک مستقل دفعہ اس مضمون کی شامل کر دی گئی تھی کہ تم

ہمارے جیسے لباس نہ پہننا (کتاب الخراج امام ابو یوسف)

(۵) جو اہل عرب فوجی یا ملکی خدمات کے سلسلہ میں عراق و ایران وغیرہ ممالک میں مامور تھے

انکو حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بار بار تاکید کرتے تھے کہ اپنی زبان اور لہجہ کی حفاظت کریں

اور عربی بولیاں نہ بولنے لگیں (بیہقی)

ان روایات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام جس بین الاقوامیت کا علمبردار اُس کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ قوموں کی امتیازی خصوصیت کو مٹا کر انہیں خلط ملط کر دیا جائے، بلکہ وہ قوموں کو انکی قومیت اور خصوصیت کے ساتھ برقرار رکھ کر انکے درمیان تہذیب اخلاق اور عقائد و افکار کا ایک ایسا رشتہ پیدا کرنا چاہتا ہے، جس سے بین الاقوامی کشیدگیوں کا دھبہ، ظلم اور تعصب دور ہو جائیں اور انکے درمیان تعاون و برادری کے تعلقات قائم ہوں۔

تشبیہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جسکی بنا پر اسلام اسکا سخت مخالف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک قوم کے لوگ اپنی قومی خصوصیت کو صرف اسی وقت چھوڑتے ہیں جب انکے اندر کوئی نفسی کمزوری اور اخلاقی ڈھیل پیدا ہوجاتی ہے۔ جو شخص دوسروں کا اثر قبول کر کے اپنا رنگ چھوڑ دے اور انکے رنگ میں رنگ جائے، لامحالہ اسکے اندر تلون یا چھوڑ پین، عسرت، انفعال اور خفیف الحرکتی کا مرض ضرور ہوگا۔ اگر اسکی روک تھام نہ کی جائیگی تو یہ مرض ترقی کرے گا۔ اگر اکثر لوگوں میں یہ پھیل گیا تو ساری قوم نفسیاتی ضعف میں مبتلا ہو جائیگی۔ اسکے اخلاق میں کوئی بختگی باقی نہ رہیگی۔ اس کے ذہن کی چولیں اتنی ڈھیلی ہو جائیگی کہ ان پر اخلاق اور خصائل کی مستحکم بنیادیں قائم ہی نہ ہو سکیں گی۔ لہذا اسلام کسی قوم کو بھی یہ اجازت دینے کے لیے تیار نہیں کہ وہ اپنے اندر اس نفسی بیماری کو پرورش کرے۔ مسلمانوں کو نہیں، بلکہ جہاں اسکا بس جلتا ہے، وہ غیر مسلموں کو بھی اس سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ وہ کسی انسان میں بھی اخلاقی کمزوری دیکھنا نہیں چاہتا۔

خصوصیت کے ساتھ مغتوج و مغلوب لوگوں میں یہ مرض زیادہ پھیلتا ہے۔ انکے اندر محض اخلاقی ضعف ہی نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت وہ اپنی نگاہوں میں آپ لیل ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو خود حقیر سمجھتے ہیں، اور اپنے حکمرانوں کی نقل اتار کر عزت اور فخر حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ عزت، شرافت، بزرگی، تہذیب، شائستگی، غرض جس چیز کا بھی وہ تصور کرتے ہیں اُسکا مثالی نمونہ انہیں اپنے آقاؤں ہی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ غلامی انکے جوہر آدمیت کو اس طرح کھا جاتی ہے کہ وہ علانیہ اپنی ذلت اور پستی کا مجسم اشتہار بننے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس میں شرم محسوس کرنے کے بجائے غر خوس کرتے ہیں۔ اسلام جو انسان کو پستیوں سے اٹھا کر بلندی کی طرف لے جاتا ہے،

ہیکم کے لیے بھی اسکو جائز نہیں رکھتا کہ کوئی انسانی گروہ استعمار نفس کے اس اسفل السافلین میں گر جائے جس سے نیچے پستی کا کوئی اور درجہ ہے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عجمی قومیں اسلامی حکومت زیر نگین آئیں تو اپنے انکو سختی کیساتھ اہل عرب کی نقالی سے روکا۔ اسلامی جہاد کا مقصد ہی باطل ہو جاتا اگر ان قوموں میں غلامانہ خصائل پیدا ہونے دیے جاتے۔ رسول اللہؐ نے عربوں کو اسلام کا پرچم اس لیے نہیں دیا تھا کہ وہ قوموں کے آقا بنیں اور قومیں انکے ماتحت غلامی کی مشق بہم پہنچائیں۔

ان وجوہ اسلام اس بات کا مخالف ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم کا ہو جو چر بہ بنجر کی کوشش کرے اور اس کے لباس طرز معاشرت کی نقالی کرنے لگے۔ رہا تہذیب تمدن وہ ملین دین جو ایک دوسرے سے میل جول رکھنے والی قوموں میں فطری طور پر واقع ہوتا ہے، تو اسلام اسکو نہ عرف جائز رکھتا ہے بلکہ فروغ دینا چاہتا ہے۔ وہ قوموں کے درمیان تعصب کی ایسی دیواریں کھڑی کرنا نہیں چاہتا کہ اپنی تمدن میں ایک دوسرے کی کوئی چیز سر سے لیں ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جتہ پہنا ہے جو یہودیوں کے لباس کا جزو تھا، چنانچہ حدیث میں، افلوضاً وعلیہ جبة شامیۃ۔ آپ نے تنگ آستینوں والا رومی جتہ بھی پہنا ہے جو رومن کیتھولک عیسائی پہنتے تھے۔ نوشیروانی قبائلی آپ کے استعمال میں ہے جو حدیث میں جب تمیل السدۃ کسد وانیۃ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے حضرت عمرؓ نے برنس پہنی ہے جو ایک قسم کی اونچی ٹوپی ہوتی تھی اور عیسائی درویشوں کے لباس کا جزو تھی۔ اس قسم کی متفرق چیزوں کا استعمال تشبہ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ تشبہ یہ ہے کہ آدمی کی پوری وضع قطع کسی دوسری قوم کے مانند ہو اور اس کو دیکھ کر یہ تمیز کرنا مشکل ہو جائے کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ بخلاف اس کے جسے ہم ملین دین کے لفظ سے تعبیر کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کی کوئی اچھی یا مناسب حال چیز لے کر اسے اپنی وضع قطع کا جزو بنائے، اور اس جزو کا شامل ہونے پر بھی اسکی قومی وضع بحیثیت مجموعی قائم رہے۔

یہ مختصر اشارت ادفع ثبہا کے لیے کافی ہیں۔ اس سلسلہ کے بعض پہلوؤں پر میں ایک مستقل مضمون اب سے دو سال پہلے رسالہ معارف میں لکھا تھا۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں وہ یہاں نقل کر دیا جائیگا تاکہ تمام گوشے ناظرین کے سامنے آجائیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۹ پر مرتب ہے اور لباس ہی میں نہیں بلکہ (۸۰) اپنی بول چال، انداز و اطوار، محکات و مکانات ہر چیز میں انگریز کا پرچم اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ کی جائیگی؟